Feb
2026

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

عہد حاضر کا سب سے بڑا فتنہ

’’مغربی تہذیب‘ اس کے بڑے مراکز- امریکہ، یورپ اور روس- غیبی حقائق، روحانیت، اخلاق اور آسمانی نظام سے مستقل برسرپیکار ہیں اور حالت جنگ میں ہیں اور اب وہ زمانہ قریب ہے کہ جب یہ تہذیب‘ مادیت اور صنعتی ترقی نقطۂ اختتام پر پہنچ جائے گی اور اس کا وہ سب سے بڑا نمائندہ اور ذمہ دار ظاہر ہوگا جس کو نبوت کی زبان میں ’’دجال‘‘ کہا گیا ہے اور جو ایک طرف مادی اور صنعتی عروج اور دوسری طرف کفر، مادیت والحاد کی دعوت، طبعی قوتوں کی پرستش اور اس کے مسخر کرنے والوں کی غلامی و بندگی کے بالکل آخری اور انتہائی نقطہ پر ہوگا اور یہ عہد آخر کا سب سے بڑا فتنہ، دنیا کی سب سے بڑی مصیبت اور اس مادی تہذیب کا نقطۂ عروج یا نقطۂ اختتام ہوگا جو کئی سو برس پہلے یورپ میں ظاہر ہوئی تھی۔‘‘ (معرکہ ایمان و مادیت: ۱۲۰-۱۲۱)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

یہ اسلام دشمنی کیوں؟!

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

''اسلام ایک کامل دین اور مکمل نظام حیات ہے اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے، دیگر مذاہب کی طرح اسلام میں نہ رہبانیت ہے اور نہ مغربی تہذیب وتمدن کے ماننے والوں کی طرح صد فیصد آزادی بلکہ یہ معتدل دین اور متوازن نظام زندگی ہے، اسلام کی ممتاز خصوصیت انفرادی واجتماعی زندگی اور خلوت وجلوت میں اللہ کے پاس جواب دہی کا استحضار ہے جو اسے دیگر مذاہب سے ممتاز بناتا ہے، اسلام کا امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ محبت واخوت اور بھائی چارگی کا مذہب ہے، اس میں جبر واکراہ اور زور زبردستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو تاکید کرتا ہے کہ منکرین اور معاندین کے ساتھ بھی عدل وانصاف کا معاملہ کرو اور اعتدال کا موقف اختیار کرو۔ زیادتی کا بدلہ عفو ودرگزر اور ظلم کا بدلہ حلم وبردباری سے دینے کی مثالیں آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں بکثرت موجود ہیں اور صحابہ کرامؓ نے بھی آپ کی اقتداء میں یہی طرز اختیار کیا اور یہی سلوک جنگ میں اور قیدیوں کے ساتھ بھی کیا گیا، اس کی سب سے بڑی دلیل بدر کے قیدیوں کے ساتھ آپ ﷺ کا مثالی سلوک اور جنگ حنین میں اپنے مخالف جنگجوؤں کو مال غنیمت واپس کرنا ہے۔

اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا مسلم حکمرانوں کا بھی ہمیشہ سے غیر مسلموں کے ساتھ یہ موقف رہا ہے کہ ان کے دین ومذہب کا احترام کرتے تھے اور انہیں اپنی دینی تعلیمات پر عمل کرنے کی مکمل آزادی حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ بعض غیر مسلم مصنفین نے اسلامی نظام حکومت کو ''عادلانہ نظام حکومت'' قرار دیا ہے اور جدید اصطلاح میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں غیر مسلم اقلیتیں اپنے تمام حقوق سے مستفید ہوتی ہیں اور ان پر جبراً اسلامی قانون نافذ نہیں کیا جاتا۔

موجودہ سیاسی رہنماؤں اور قائدین کی اسلام اور اسلامی دعوت سے عداوت اور مخالفت غلط فہمی اور دلوں کو مسخر کر لینے والی پرکشش اسلامی تعلیمات سے خوف کا نتیجہ ہے، کیونکہ اسلام کا تیزی سے پھیلنا، لوگوں کا اسلام قبول کرنا، بالخصوص تعلیم یافتہ طبقہ کا اسلام کا مطالعہ کرنا اور پھر اسے اپنا لینا، انہیں ہراساں کیے دیتا ہے، چنانچہ اسلام دشمنی یا اسلام کو دہشت گرد کہنا دو وجہ سے ہوسکتا ہے: اول تو غلط فہمی یا اسلام سے ناواقفیت ہے، دوسری وجہ مغرب میں اسلام کا بہت تیزی سے پھیلنا ہے، جیسا کہ میڈیائی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے۔

اس غلط نظریہ کی بنیاد پر دشمن طاقتیں مذہب اسلام اور اسلامی تحریکوں کی غلط تصویر کشی کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اپنا رہی ہیں، دوسری طرف دعوت کے میدان میں کام کرنے والوں میں سے بعض کی نامناسب یا انتقامی جذبہ سے کی گئی کاروائی بھی اسلام کے خلاف جنگ کے لیے ایندھن کا کام کر جاتی ہے، تو کبھی مغربی تنظیموں وتحریکوں کی تقلید میں بعض اسلامی تحریکات کے مزاحمتی وسائل بھی اس کا سبب بنتے ہیں اور نتیجۃً اسلام کو دہشت گردی کا مذہب کہا جانے لگا ہے۔''

(ماخوذ از؛ دعوت اسلامی: مسائل، اندیشے اور تقاضے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۸ ❖ فروری ۲۰۲۶ء — شعبان المعظم ۱۴۴۷ھ ❖ شمارہ: ۲

دو بڑی نعمتیں

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ؛ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ.“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ گھاٹے میں رہ جاتے ہیں:

صحت اور فرصت (فارغ وقت۔)

(صحیح البخاری: ٦٤١٢)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد مکی حسنی ندوی

محمد امین حسنی ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ”پیام عرفات“ مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 E-Mail: markazulimam@gmail.com سالانہ زر تعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

علماء اور ائمہ مساجد سے چند گذارشات (اداریہ)..............۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی

تقویٰ کیا ہے؟..............۵
بلال عبدالحی حسنی ندوی

فسخ وتفریق کے مسائل..............۷
مفتی راشد حسین ندوی

انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں اہل ایمان کے لیے ایک نمونہ.....۹
عبدالسبحان ناخدا مدنی ندوی

امریکہ کی دوسرے ملکوں پر پیش قدمیاں – اسباب اور نتائج.....۱۱
محمد مکی حسنی ندوی

الحاد کا طوفان: اسباب اور حل..............۱۳
محمد نجم الدین ندوی

بات سمجھانے میں نرمی اور محبت..............۱۵
محمد امین حسنی ندوی

رات کے آخری پہر..............۱۷
محمد مصعب ندوی

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے..............۱۹
محمد ارمغان بدایونی ندوی

...دید کی حسرت نہیں رہی

بدران الدین اجملؔ سیتاپوری

دنیا کو رہنما کی ضرورت نہیں رہی
بعد از نبی کسی کی بھی چاہت نہیں رہی
جس نے کیا ہے خواب میں دیدار مصطفیٰ
اس کو کسی کے دید کی حسرت نہیں رہی
کوشاں ہیں بھائی بھائی تو قتل وقتال میں
اصحابِ مصطفیٰ سی اخوت نہیں رہی
سنت کی ڈوبتی ہوئی کشتی نظر میں ہے
لگتا ہے سنتوں سے عقیدت نہیں رہی
ہوتی نہیں قبول دعا میری اسی لیے
اصحابِ مصطفیٰ سی عبادت نہیں رہی
دنیا کی فکر کرتے ہیں عقبیٰ سے بے خبر
مولیٰ کو اب منانے کی فرصت نہیں رہی
صدیقؓ نے لٹا دیا آقا پہ جان وتن
بوبکرؓ سی جہاں میں رفاقت نہیں رہی
اپنے پرائے میں کرے انصاف ایک سا
فاروق جیسی اب تو عدالت نہیں رہی
امت کو بئر روما کیا وقف آپ نے
عثماں سخی کے جیسی سخاوت نہیں رہی
تاراج کردے اپنے مقابل کو جو یہاں
شیر خدا سی اب وہ شجاعت نہیں رہی
اجملؔ نے سیکھا جب سے ہے مولیٰ سے مانگنا
ہر در پہ ہاتھ اٹھانے کی عادت نہیں رہی

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مدیر کے قلم سے

علماء اور ائمہ مساجد سے چند گذارشات

علمائے امت حقیقت میں دل کی حیثیت رکھتے ہیں اور دل کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ."

(صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب أخذ الحلال...: ٤١٧٨)

(جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ اگر وہ صحیح ہو جائے تو پورے جسم کا نظام درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورے جسم کا نظام خراب ہو جاتا ہے اور وہ ٹکڑا دل ہے۔)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دل کو بادشاہ بنایا ہے، وہ جو فیصلہ کرتا ہے' دماغ اس کی تنفیذ کرتا ہے، گویا دل کی حیثیت بڑی اہم ہے، اسی لیے جابجا یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم سب سے بڑھ کر اپنے دل کی طرف توجہ کریں، فرد کی اصلاح دل سے ہوتی ہے، اگر آدمی کا دل بن جائے اور اس میں اللہ کی یاد سما جائے تو پھر اس کی زندگی کا رخ کچھ اور ہوتا ہے۔ دل کی حیثیت زمین کی ہے، اس پر جیسی کاشت کی جائے گی' ویسے ہی پھل پھول کھلیں گے بلکہ ایسے تناور درخت بھی تیار ہوں گے جس کے سایہ سے بے شمار لوگ فائدہ اٹھائیں گے۔

علماء اور ائمہ مساجد کا طبقہ بھی حقیقت میں ملت کے لیے دل کی حیثیت رکھتا ہے، اگر ان کے اندر اصلاح کا جذبہ ہوگا، تقویٰ کا مزاج ہوگا اور انسانیت کا درد ہوگا تو یقیناً اس کے غیر معمولی نتائج سامنے آئیں گے، بھٹکی ہوئی انسانیت کو نئی سمت ملے گی اور پوری دنیا کو نفع حاصل ہوگا۔

علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام دینار ودرہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم کا وارث بناتے ہیں، وہ علم جو اللہ کی معرفت پیدا کرے، آخرت کا دھیان اور جواب دہی کا احساس پیدا کرے اور آخرت کے عواقب سے ڈرائے اور انسان کو صحیح راستہ دے، پھر اس کے نتیجے میں آدمی کے اندر درد وفکر کی کیفیت پیدا ہو اور وہ دوسروں تک اس کو منتقل کرے، علماء کے اندر اس درد کا ہونا ضروری ہے، یہ انبیاء کی وراثت ہے اور سب سے بڑھ کر محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کی وراثت ہے۔ جب آدمی کے اندر ایک کڑھن اور تڑپ پیدا ہوتی ہے اور وہ اخلاص کے ساتھ میدان عمل میں آتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے نتیجے میں ملکوں میں انقلاب برپا کر دیتا ہے۔

موجودہ حالات میں ہر عالم وحافظ اور مسجد کے امام کا یہ پہلا فریضہ ہے کہ سب سے پہلے ہمیں اپنی فکر کرنی ہے، اپنی اصلاح وتربیت کرنی ہے اور اپنے دل کو سنوارنا ہے، آج ضرورت ہے اپنے او پر محنت کرنے اور اپنا مقام ومنصب پہچاننے کی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم جن علوم کے ترجمان ہیں، وہ اللہ کے نبی ﷺ کے عطا کردہ ہیں اور جس مصلّی پر کھڑے ہو کر ہم نماز پڑھاتے ہیں، یہ وہی مصلّی ہے جس پر اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی پوری عمر مبارک کھڑے ہو کر لوگوں کی امامت کی اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے یہ فریضہ انجام دیا، بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج ہم نے اپنے طرز زندگی سے اس کے مقام کو گھٹا دیا۔

اس وقت امت کی صفوں میں ایک انتشار برپا ہے، لوگوں کا ایمان خطرہ میں ہے اور ارتداد کی ایک عام فضا ہے، ان حالات میں سب سے بڑھ کر ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ خاص طور پر آنے والی نسل کی ہم حفاظت کرسکیں، اگر اس کے لیے چند اہم اور ضروری نکات کو سامنے رکھ کر کام کیا جائے تو انشاء اللہ بڑی آسانی ہوگی، مناسب یہ ہے کہ ان کاموں کے لیے مسجدوں کو سینٹر بنایا جائے۔ وہ کام یہ ہیں:

(۱) جمعہ کے خطابات پر زور دیا جائے اور اس کے لیے با قاعدہ اہتمام کیا جائے، ان خطابات میں ایسے موضوعات کو لایا جائے جو اس وقت لوگوں کی ایک ضرورت ہے، ان بیانات سے عقائد کی اصلاح ہو، عبادات کی طرف رغبت پیدا ہو، سماج کے مہلک امراض کی نشان دہی ہو، ان سے بچنے کا حل اور تدابیر بھی بیان کی جائیں اور ان کے نقصانات بھی سنائے جائیں تا کہ لوگوں میں ایک احساس پیدا ہو۔ ان خطابات کا وقت بھی بہت طویل نہ ہو لیکن گفتگو ایسی جامع اور مفید ہونا چاہیے جس میں ہر ایک کے لیے نفع کا سامان ہو۔

(۲) ہفتہ واری درس قرآن اور درس حدیث کا نظام بنایا جائے اور ان دروس میں بھی وقت کا خاص لحاظ رکھا جائے۔ درس قرآن میں سب سے پہلے سورۂ فاتحہ پھر ۳۰ رویں پارہ کی آخری دس سورتوں کا انتخاب ہونا چاہیے جو عام طور پر نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں، اس کے بعد ان سورتوں کا انتخاب مفید ہے جن میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات ہیں۔ درس میں ان باتوں کو لانا مفید ہوگا جن کا تعلق سماج کی اصلاح سے ہے۔

(۳) ہر علاقے میں چار یا پانچ محلوں کو جوڑ کر ایک کاؤنسلنگ سینٹر قائم کیا جائے اور وہ بچیاں اور نوجوان لڑکیاں جو کالجز یا یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتی ہیں، یا وہ کہیں ملازمت کرتی ہیں، ان سینٹرز سے ان کو جوڑا جائے اور ہفتہ واری پروگرام منعقد کیے جائیں، تا کہ وہاں ان کی صحیح تربیت کا انتظام کیا جائے اور دین پر ان کا اعتماد بہ حال ہو سکے۔ ہفتہ واری دینی اجتماعات کا سلسلہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

(۴) ہر علاقے کے اندر مساجد میں مکاتب کا ایک جال بچھا دیا جائے، جو بچے اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں یا جو بچے کسی اسکول یا مدرسہ میں نہیں پڑھتے' ان سب کے لیے مسجد میں مکتب کا نظام قائم کیا جائے، وہاں ان کو قرآن مجید پڑھایا جائے، اردو پڑھائی جائے، ان کا کلمہ درست کرایا جائے اور دین کی ضروری معلومات دی جائیں تا کہ مسلمانوں کی نسل نو دین کی ضروری تعلیم حاصل کر سکے۔

(۵) علاقائی سطح پر ایک بیت المال کا قیام بھی موجودہ حالات میں ایک مفید عمل ہے، یہ کام بڑا نازک ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ ملت کی ایک ضرورت ہے، اس وقت بہت سے گھروں کا حال یہ ہے کہ فقر و فاقہ کی وجہ سے ان کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ بیت المال وسیع پیمانے پر قائم نہ کیا جائے بلکہ دو چار محلوں کو جوڑ کر وہاں کے اہل ثروت سے کم از کم دس دس ہزار روپیہ کی رقم لے کر جمع کر لی جائے، اگر اس میں یہ طے کر لیا جائے کہ ایک سال تک پانچ ہزار یا اس سے زیادہ رقم ہر مہینے جمع کی جاتی رہے گی تو اس طرح ایک بڑی رقم بیت المال میں جمع ہو جائے گی، پھر اس کے ذریعہ سے ضرورت مندوں کو قرض دیا جائے اور اس کی ادائیگی کے لیے دو لوگوں کو بطور ضامن مقرر کیا جائے اور یہ نظام بھی بنایا جائے کہ ماہ بہ ماہ یا سال دو سال کی مدت میں قرض کی یہ رقم واپس ہوتی رہے گی اور اگر کسی صورت میں رقم واپس نہ مل سکے تو زکوٰۃ کی مد سے اس کو پورا کر لیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ رقم بڑھتی جائے گی اور لوگوں کی بے شمار ضرورتیں آسانی سے پوری ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ یہ طریقہ لوگوں کے لیے غیر معمولی نفع بخش ہوگا اور ان کے ایمان کی سلامتی کا ذریعہ بھی ثابت ہوگا۔

(۶) ہر شہر اور ہر علاقے میں تحریک پیام انسانیت کا کام بھی انتہائی ضروری ہے، اگر اس ملک میں ہم نے اپنے برادران وطن کو نظر انداز کیا تو ہم بہت دنوں تک امن کے ساتھ نہیں رہ سکتے، ہماری تمام دینی سرگرمیوں، مکاتب و مدارس اور مساجد کے لیے اس کی حیثیت بنیادی کی ہے، اس کام کی دو اہم بنیادیں ہیں، یہ کام نظریاتی سطح پر ضروری ہے اور رفاہی سطح پر بھی، نظریاتی طریقہ پر کام گویا ہمارا ایک دعویٰ ہے اور رفاہی کام اس کی عملی دلیل ہے، اس ملک کے موجودہ حالات میں یہ بڑا مفید عمل ہے، انشاء اللہ اس کے ذریعہ حالات سازگار ہوں گے اور غلط فہمیاں بھی دور ہوں گی۔

(۷) ہر علاقے میں اسلامک اسکولز قائم کیے جائیں، اس کے بغیر نئی نسل کو ایمان پر باقی رکھنا آسان کام نہیں ہے، اس لیے کہ ایک بڑی تعداد اسکولوں ہی میں تعلیم حاصل کرتی ہے اور وہیں کے ماحول اور کلچر سے متاثر ہوتی ہے۔ منظم طور پر اسلامک اسکول کا قیام بھی ضروری ہے۔

اگر ان چند بنیادی کاموں کی طرف توجہ کر لی گئی تو انشاء اللہ حالات بدلیں گے اور ہماری نئی نسل میں دین پر اعتماد بہ حال ہوگا، ضرورت ہے کہ ہر علاقہ میں ایک ایک گھر کا سروے کیا جائے اور ان چند نکات کو سامنے رکھ کر کام شروع کر دیا جائے۔

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

حرام اور مشتبہات سے بچنے کی تعلیم:

”إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللَّهِ مَحَارِمُهُ.“

(مسلم، كتاب المساقاة، باب أخذ الحلال...: ٤١٧٨)

(بلاشبہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے تاہم ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کرلیا اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا۔ اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو کسی محفوظ چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چراتا ہے، خطرہ ہے کہ وہ اس میں جا پڑے۔ صاف سن لو! ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے اور سن لو! اللہ کی محفوظ چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔)

اس حدیث میں پہلی بات یہ فرمائی گئی کہ حلال وحرام بالکل واضح ہیں، قرآن وحدیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں اور احادیث میں وہ ساری چیزیں مزید وضاحت کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں۔

بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو مشتبہ ہیں اور ان کے بارے میں یہ پتہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ حلال ہیں یا حرام؟! اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی ان مشتبہات سے بچ جائے گا تو وہ اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالے گا اور اگر کوئی ان مشتبہات میں پڑے گا تو خطرہ ہے کہ وہ حرام میں مبتلا ہو جائے گا۔

اس دنیا میں ایمان والوں کو جن چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے، ظاہر ہے جب آدمی اپنی زندگی میں آگے قدم بڑھاتا ہے تو نہ جانے اس کو کن کن چیزوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے ایک ایمان والے کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ حلال وحرام کے سلسلہ میں محتاط رہے اور غور کرتا رہے، بعض چیزیں تو بالکل کھلی ہوئی ہیں جیسے شراب، سود، زنا اور چوری حرام ہے، ان کی حرمت میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا، لیکن انھی چیزوں میں بعض لوگ چور دروازے نکال لیتے ہیں اور اس میں شبہ پیدا کرتے ہیں جیسے شراب حرام ہے لیکن موجودہ زمانہ میں بعض ایسی Drinks بھی بازار میں آنے لگی ہیں جن میں شبہات ہیں، بعض مرتبہ ان میں کچھ نشہ آور اشیاء بھی شامل ہوتی ہیں اور آدمی ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔

اسی طرح سود کا مسئلہ ہے، ایک سود وہ ہے جس کی حرمت بالکل واضح ہے یعنی آدمی اس شرط پر کسی کو پیسہ دے کہ اس قرض کے عوض میں اتنے پیسے مزید چاہیے لیکن ایک سود وہ ہے جو بینک سے ملتا ہے، ہم وہاں اپنے کھاتے میں پیسے جمع کرتے ہیں اور اس کے بدلے میں وہ ہمیں پیسے دیتے ہیں، ظاہر ہے یہ بھی سود ہے لیکن اس میں بعض مرتبہ لوگ شبہ پیدا کردیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سود کی رقم نہیں ہے بلکہ بینک والے اس پیسے کو کاروبار میں لگاتے ہیں، مگر جب یہ تعیین کردی گئی کہ ہم تمہیں تمہارے پیسے کے عوض میں اتنا فیصد بڑھا کردیں گے تو وہ تجارت باقی نہیں رہ گئی، تجارت میں تو اونچ نیچ ہوتی ہے، اس میں کبھی فائدہ اور کبھی نقصان ہوتا رہتا ہے لیکن جب تعیین کردی گئی تو وہ سود ہو گیا۔ اس کے علاوہ بھی آج کل سود کی بہت سی ایسی شکلیں رائج ہیں جن کے متعلق لوگ جواز کی باتیں کرتے ہیں اور اس میں شبہ پیدا کرتے ہیں، ظاہر ہے یہ ساری چیزیں مشتبہات میں شامل ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی آدمی دوکان دار ہے اور سامان فروخت کرتا ہے تو اس میں یہ جاننا ضروری ہے کہ کس طرح دوکان داری کی جائے اور کن امور کا لحاظ رکھا جائے، کس طرح امانت داری کے ساتھ کاروبار کرنا ہے اور اگر کوئی چیز خراب ہے تو اس کو چھپا کر اور دھوکے سے نہیں بیچنا ہے، سچی بات یہ ہے کہ زیادہ تر لوگ ان باتوں کا لحاظ نہیں کرتے بلکہ تاویلیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں اس قدر امانت داری والا کاروبار نہیں چل سکتا۔ یاد رہے کہ زمانہ بدل گیا لیکن اللہ کے احکامات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کے احکامات وہی ہیں اور ان کی بنا پر اللہ کی طرف سے جو فیصلے ہوتے ہیں وہ بھی وہی ہیں، اس لیے ہمیں خود اپنے آپ کو بدلنے کی ضرورت ہے، اگر ایک ایمان والا آدمی ماحول کے مطابق اپنے آپ کو بنا لے تو پھر اس میں اور غیر ایمان والے میں کیا فرق رہ گیا؟!

ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہمیں ماحول کو بدلنا ہے، نہ کہ اسی کے رخ پر خود پڑ جانا ہے، اسلام نے جو نظام زندگی ہمیں دیا ہے، سماج کے لیے اس سے بہتر کون سا نظام ہوسکتا ہے، آج دنیا کی قومیں اس جیسا نظام پیش کرنے سے عاجز ہیں اور مسلمانوں کے پاس وہ نظام موجود ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ مسلمان اس نظام کو پیش کرنے سے قاصر ہیں بلکہ افسوس کی بات یہ ہے کہ سارے ہیرے جواہرات اور خزانے رکھنے کے باوجود وہ دوسروں کے سامنے کاسہ گدائی لے کر کھڑے ہوئے ہیں، اس سے بڑھ کر افسوس اور شرم کی کوئی بات نہیں ہوسکتی۔

حدیث میں صاف طور پر یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر کوئی آدمی مشتبہ چیز میں پڑے گا تو وہ حرام میں مبتلا ہو جائے گا اور اس کا بچنا مشکل ہوگا، لیکن اب تو مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ جو چیزیں کھلی ہوئی حرام ہیں اور ان کے بارے میں بڑے سخت کلمات وارد ہوئے ہیں، ان کو بھی لوگ بڑی جرأت کے ساتھ کرتے نظر آتے ہیں۔

مشتبہات سے بچنے کے لیے بہتر ہے کہ آدمی ان لوگوں سے مسئلہ معلوم کرلے جو دین و شریعت کا گہرا علم رکھتے ہیں لیکن اب حال یہ ہے کہ لوگ مسئلہ بھی اس سے پوچھتے ہیں جو ان کے مطلب کی بات کہے، حقیقت یہ ہے کہ اس طرح آدمی اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے، ایسی صورت حال میں ہر مسلمان کو بہت زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اگر کوئی حرام سے نہیں بچے گا تو اس کا ایمان خطرہ میں ہے، پتہ نہیں کہ اس کو مرتے وقت کلمہ بھی میسر ہو یا نہ ہو۔

اہل ایمان کو یہ حکم ہے کہ انھیں صرف حرام ہی نہیں بلکہ مشتبہ چیزوں سے بھی بچنا ہے، واقعہ یہ ہے کہ مشتبہات ہی حرام تک پہنچانے کا ایک زینہ ہیں، جب آدمی یہ سوچنے لگتا ہے کہ اس دور میں ایسی چیزوں سے بچنا بہت مشکل ہے تو اس کے بعد وہ حرام میں بھی پڑ جاتا ہے۔ اسی بات کو سمجھانے کے لیے آپ ﷺ نے جو مثال بیان فرمائی وہ انتہائی بلیغ ہے۔

پہلے جب بادشاہوں کا زمانہ تھا تو بڑے بڑے بادشاہوں کے اپنے چراگاہ اور جنگل ہوتے تھے، جہاں وہ شکار کرنے اور سیر و تفریح کے لیے جایا کرتے تھے، وہاں کسی اور کا داخلہ سخت ممنوع تھا، اگر کسی کا جانور بھی وہاں چلا جاتا تو اس کو سخت سزا دی جاتی تھی۔ حدیث میں یہی مثال دی گئی کہ اگر کوئی آدمی کسی بادشاہ کی چراگاہ کے قریب اپنا جانور لے جائے گا تو وہ خطرہ میں پڑ جائے گا اور سزا کا مستحق ہوگا، چاہے وہ ہزار بار صفائی دے کہ جانور غلطی سے وہاں تک پہنچ گیا تھا مگر بادشاہ یہ بات کہے گا کہ تمہیں میری حدود کے قریب بھی نہیں آنا چاہیے تھا۔ آپ ﷺ نے اس مثال کے ذریعہ سے بات صاف کر دی کہ اگر کوئی آدمی یہ سوچے گا کہ یہاں تک عمل کرنا ٹھیک ہے اور اس حد تک جانے کی اجازت ہے، جب آدمی اس قدر حدود کے قریب پہنچے گا تو پھر ان حدود سے تجاوز کرنا بھی اس کے لیے کچھ مشکل نہ ہوگا اور نہ ہی اس کو اپنے آپ کو روکنا اور بچانا آسان کام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اگر کسی کے نفس کو کنٹرول میں کر دے تو یہ ایک بڑی نعمت ہے، نفس کو کنٹرول کیے بغیر حلال و حرام میں تمیز کرنا، حرام سے بچنا اور خاص طور سے مشتبہ چیزوں سے بچنا آسان کام نہیں ہے لیکن جب کوئی آدمی اپنے آپ کو کنٹرول میں کرنے کی کوشش کرے گا تو پھر اللہ کی مدد بھی ہوتی ہے، حاصل یہ کہ ہمیں حدود اللہ کے قریب نہیں جانا چاہیے۔

فسخ و تفریق کے مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

تفریق کا بارھواں سبب:

نکاح کا غیر کفو میں ہونا:

اسلام میں معیار صرف تقویٰ ہے:

اسلام تمام انسانوں کو ایک نگاہ سے دیکھتا ہے، رنگ و نسل اور غربت و مال داری کے سبب کسی کو افضل یا مفضول قرار نہیں دیتا، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾(الحجرات: ۱۳)

(اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور برادریاں بنادیں تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بلاشبہ اللہ کے یہاں تم میں سے بڑا عزت دار وہ ہے جو تم میں سے بڑا پرہیزگار ہو، بے شک اللہ خوب جانتا خوب خبر رکھتا ہے۔)

اور حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے جو خطبہ دیا تھا اس میں یہ جملے بھی ارشاد فرمائے تھے:

”يا أيها الناس! ألا إن ربكم واحد وإن أباكم واحد.“

(مسند أحمد، مسند الأنصار: ٢٣٤٨٩)

(اے لوگو! سنو، تمہارا رب ایک ہے، تمہارے باپ (حضرت آدمؑ) ایک ہیں، سنو! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی بھی فضیلت حاصل نہیں ہے سوائے تقویٰ کے ذریعہ کے۔)

شادی کے وقت زوجین میں کفاءت کے اعتبار کی حکمت:

اس طرح اگرچہ تمام انسان ایک ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ معاشرتی طور پر ان کے درمیان بڑا فرق پایا جاتا ہے، کوئی غربت کی وجہ سے اپنے کام خود کرتا ہے بلکہ گھر چلانے کے لیے دوسروں کے بھی کام کرتا ہے اور کسی کے کئی خدام ہوتے ہیں اور اسے اپنا کوئی کام خود نہیں کرنا پڑتا، کوئی خاندان باشرع اور نماز روزہ اور احکام شریعت کا پابند ہوتا ہے اور کوئی بالکل ہی دین سے دور ہوتا ہے، پھر معاشرہ میں بعض خاندانوں کو اونچا سمجھا جاتا ہے لیکن بعض اس طرح نہیں سمجھے جاتے اور کامیاب رشتے اسی وقت ہو سکتے ہیں جب دونوں کا مستویٰ ایک ہو، ورنہ خطرہ ہوتا ہے کہ رشتہ دیر تک نہ چل سکے، اسی لیے اکثر ائمہ کے یہاں اس کا خیال رکھنے کو کہا گیا اور اسی سماجی برابری کو کفاءت کا نام دیا گیا، البتہ اگر مرد شادی کر رہا ہو تو اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی لیکن جب لڑکی کی شادی ہو رہی ہو تو فقہاء نے نکاح میں پائیداری اور استحکام پیدا کرنے کی غرض سے اس کی رعایت کی کہ مرد خاندان، اخلاق، مال اور تہذیب و شائستگی کے لحاظ سے عورت کا ہم سر ہو، اس سے کم تر نہ ہو، اس لیے کہ اگر مرد عورت سے کم تر ہو تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ عورت احساس برتری کا شکار ہو جائے اور شوہر کے تعلقات خوش گوار نہ رہ سکیں، اسی برابری اور ہم سری کی رعایت کو ”کفاءت“ کہا جاتا ہے۔

(طلاق و تفریق، از: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)

غیر کفو میں نکاح کی صورتیں:

حضرت تھانویؒ نے ”الحیلۃ الناجزۃ“ میں اس کی چھ صورتیں اور مولانا عبدالصمد رحمانی نے ”کتاب الفسخ والتفریق“ میں اس کی آٹھ صورتیں درج کی ہیں۔(دیکھئے: الحیلہ، ص: ۱۵۰-۱۵۷، کتاب الفسخ والتفریق، ص: ۱۱۹-۱۲۹)

لیکن ان میں سب سے زیادہ اہمیت والی صورت یہ ہے کہ کوئی بالغہ عورت اولیاء (باپ بھائی وغیرہ) کی اجازت کے بغیر خود سے غیر کفو میں نکاح کرلے (اکثر ائمہ کے نزدیک چونکہ عورت کا خود سے نکاح کرنا جائز نہیں لہٰذا ان کے نزدیک یہ باطل ہے) احناف کے نزدیک ظاہر الروایہ میں اگر چہ یہ ہے کہ نکاح منعقد ہوجائے گا لیکن اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا، وہ اگر چاہیں تو دار القضاء کے ذریعہ اس نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں، لیکن اگر انھوں نے اس میں تاخیر کردی، یہاں تک کہ لڑکی کو حمل ظاہر ہوگیا تو ان کا یہ اختیار ختم ہوجائے گا، فقہ اکیڈمی نے زمانے کے حالات کے پیش نظر اسی روایت کو اپنی تجاویز میں راجح قرار دیا ہے۔(دیکھئے: نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، نکاح میں کفاءت، تجویز:۸،ص:۱۰۲)

اور حسن بن زیاد کی نوادر کی روایت یہ ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوگا، اکثر فقہاء نے اس روایت کو مفتی بہ قرار دیا ہے لیکن قاضی کو زمانے کے حالات کے پیش نظر فقہ اکیڈمی کی تجویز کے مطابق ظاہر الروایہ پر عمل کرنا بہتر ہوگا۔

(شامی:۳/۵۶-۵۷، ط؛ دار الفکر بیروت)

جب غیر کفو سے دھوکہ سے نکاح ہوجائے:

دوسری اہم صورت یہ ہے کہ لڑکے والوں نے اپنے کو کفو ظاہر کیا اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ کفو نہیں ہے تو ولی اور لڑکی کو قاضی کے پاس جا کر نکاح فسخ کرانے کا اختیار رہے گا، لیکن لڑکی اگر بالغہ ہے تو عدم کفاءت کا علم ہوتے ہی ضروری ہوگا کہ وہ اپنی عدم رضا کو ظاہر کردے، ورنہ اس میں تاخیر کرنے سے اس کا حق ساقط ہوجائے گا اور جب لڑکی ثیبہ ہو تو صرف سکوت سے اس کا حق ختم نہیں ہوگا، یہاں تک کہ وہ صراحت سے یا دلالۃً اپنی رضامندی ظاہر کردے، اسی طرح ولی کا اختیار بھی اس وقت تک باقی رہے گا جب تک وہ اپنی رضامندی ظاہر نہ کردے۔(شامی:۳/۸۵-۸۶، الفتاویٰ التاتارخانیہ:۴/۱۳۶، الحیلہ:۱۵۳، نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے:۱۰۲)

جب ابعد کی اجازت سے غیر کفو میں نکاح کرلے:

اگر ولی اقرب جیسے باپ کی موجودگی میں بالغہ لڑکی نے ولی ابعد جیسے بھائی کی اجازت سے غیر کفو میں نکاح کرلیا تب بھی ولی اقرب کو دار القضاء میں جا کر نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار ہوگا اور اگر ولی اقرب کی رضامندی سے نکاح ہوا تو ولی ابعد کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہیں ہوگا اور اگر ولی اقرب جیسے باپ موجود نہ ہو اور ولایت بھائیوں کے پاس ہو تو کسی ایک بھائی کی اجازت سے نکاح کرایا ہو تو دوسرے بھائیوں کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہیں ہوگا، چاہے نکاح چھوٹے بھائی کی اجازت سے ہوا ہو یا بڑے بھائی کی اجازت سے، اس لیے کہ تمام بھائی ولایت کے باب میں یکساں اختیار رکھتے ہیں۔

(ہندیہ:۱/۲۹۳، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی النکاح)

نابالغ لڑکی کا نکاح غیر کفو سے کرنا:

اگر کسی نابالغ لڑکی کا نکاح باپ دادا کی موجودگی میں ان سے نیچے درجے کے کسی ولی جیسے بھائی یا چچا نے غیر کفو میں یا غبن فاحش (یعنی جتنا مہر مقرر ہونا چاہیے واضح طور پر اس سے بہت کم میں) سے کرا دیا، یا نابالغ لڑکی کا نکاح باپ یا دادا نے کرایا لیکن وہ معروف بسوء الاختیار تھے (یعنی نادانی یا لالچ کی وجہ سے نامناسب رشتہ کر لینے کی شہرت تھی) یا فاسق متہتک (علانیہ فاسق) تھے تو یہ نکاح سرے سے ہوگا ہی نہیں۔(شامی:۳/۶۶-۶۸)

خلاصہ یہ کہ کفاءت اور عدم کفاءت کے بارے میں اگر شادی کے بعد زوجین یا دونوں کے خاندانوں میں کوئی تنازع ہو تو اگر چہ اس کی کئی صورتیں ہیں اور ہر ایک کے الگ احکام ہیں، ان میں سے کچھ میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا لیکن تمام صورتوں میں کسی دار القضاء کے ذریعے سے ہی فیصلہ کرانے میں زیادہ عافیت ہے۔ واللہ اعلم!

انبیاءعلیہم السلام کی زندگیاں اہل ایمان کے لیے ایک نمونہ

عبدالسبحان ناخدامدنی ندوی

اللہ رب العزت نے اس کائنات میں جن حضرات کو سب سے اونچا مقام عطا فرمایا اوران کی اتباع پر اپنی مدد کا وعدہ فرمایا اور اپنی مدد پر اپنے غلبہ کا وعدہ فرمایا، وہ حضرات انبیاءعلیہم السلام ہیں۔ حقیقت میں ہمارے جتنے بھی دینی مدارس ہیں؛ یہ سب انہی حضرات انبیاءعلیہم السلام کے نقش قدم پر چلنے کی ایک کوشش اوران کی یادگاریں ہیں تاکہ اللہ کی زمین پر اللہ کے بندے اللہ کے دین سے وابستہ ہوکر اللہ رب العزت کی رضامندی اوراپنی حقیقی مراد تک پہنچ جائیں۔

اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے سامنے اورآپ کے ذریعہ سے پوری امت بلکہ پوری انسانیت کے سامنے اپنے پاک کلام میں حضرات انبیاءعلیہم السلام کے انتہائی دل کش نمونے پیش فرمائے ہیں اوراللہ نے آپ ﷺ سے خطاب کرکے یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ

﴿وَكُـلًّا نَّـقُـصُّ عَـلَيْكَ مِـنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ﴾(هود: ۱۲۰) (اوررسولوں کے جو بھی واقعات ہم آپ کو سنارہے ہیں وہ اس لیے کہ اس سے آپ کے دل کو طاقت دیں۔)

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو مخاطب بناکر گویا تمام اہل ایمان کو ایک پیغام دیا جارہا ہے۔ حضرات انبیاءعلیہم السلام میں نعوذ باللہ کوئی بھی بزدل نہیں تھا، کوئی بھی حالات سے مایوس نہیں تھا، کوئی بھی حوصلہ ہارنے والا نہیں تھا اور کوئی بھی ہمت ہارنے والا نہیں تھا، بلکہ وہ سب کے سب انتہائی درجہ بہادر، اپنے مقصد سے بے انتہا لگاؤ رکھنے والے اورآخری حد تک یہ یقین رکھنے والے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں منزل مقصود تک پہنچا دے گا۔ انبیاءکرام علیہم السلام کا یہ وہ وصف ہے جو اللہ رب العزت نے ان کے متبعین کو بھی عطا فرمایا ہے، قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَكَـأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُواْ لِمَا أَصَـابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَمَا ضَعُفُواْ وَمَا اسْتَكَانُواْ وَاللّهُ يُحِبُّ الصَّـابِرِينَ﴾(آل عمران: ۱۴۶) (کتنے ایسے نبی ہوئے ہیں کہ ان کے ساتھ مل کر اللہ والوں نے لڑائی لڑی تو ان کو اللہ کے راستہ میں جو بھی تکلیف پہنچی نہ اس سے انھوں نے ہمت ہاری نہ وہ کمزور پڑے اورنہ وہ دبے اوراللہ جمنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔)

قرآن مجید کی غالباً یہ تنہا وہ آیت ہے جس میں ایک ہی جگہ کمزوریوں کے متعلق تمام باتوں کو بیان کردیا گیا ہے یعنی نہ وہ کبھی سست پڑے، نہ کبھی ان کے اندر ڈھیلا پن آیا اورنہ کبھی ان کے اندر کمزوری آئی اورنہ وہ ڈھیر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات قتال کے موقع پر ارشاد فرمائی ہے، یہ وہ موقع ہوتا ہے کہ جب انسان کی جان داؤں پر لگی ہوتی ہے، ظاہر ہے جب وہ لوگ اس معاملہ میں ڈھیلے نہیں پڑے تو پھر اس کے مقابلہ میں کسی بھی چیز میں ڈھیلے پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب ہم غورکریں کہ جب انبیاءعلیہم السلام کے متبعین کا یہ حال ہے تو خود حضرات انبیاء کا کیا حال رہا ہوگا؟!

وہ حضرات جو انبیاءعلیہم السلام کے نقش قدم پر چلتے ہیں تو پھر ان کے سامنے حالات چاہے جس طرح کے بھی ہوں، اللہ انھیں یہ ہمت وحوصلہ دیتا ہے کہ وہ حالات کے سینے پر چڑھ کر کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بات ارشاد فرمائی کہ

﴿وَقُـل لِّلَّـذِيـنَ لاَ يُـؤْمِـنُـونَ اعْمَلُواْ عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُونَ☆وَانتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ﴾(هود: ۱۲۱-۱۲۲) (اور جو ایمان نہیں لاتے ان سے آپ کہہ دیجیے کہ تم اپنی جگہ کام میں لگے رہو، ہم بھی لگے ہوئے ہیں اورتم بھی انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں۔)

سچی بات یہ ہے کہ اللہ رب العزت حالات کا خالق و مالک ہے، اگر وہ چاہے تو سیکنڈوں کے اندر اس کائنات کی کایا پلٹ ہو سکتی ہے، تمام طاقتیں اللہ کی ہیں اور سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ قرآن مجید میں اس طرح کے جو بھی حقائق بیان ہوئے ہیں' حقیقت میں یہ سب باتیں خدا کے منکرین و معاندین کے لیے ایک دھمکی ہیں اور خدا سے محبت کرنے والوں کے لیے ایک بشارت بھی، قرآن میں صاف صاف یہ اعلان ہے کہ

﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾(ھود: ۱۲۳) (اور تم لوگ جو بھی کرتے ہو آپ کا رب اس سے بے خبر نہیں ہے۔)

اللہ رب العزت چوروں کی چوری دیکھ رہا ہے اور خائنوں کی خیانت بھی دیکھ رہا ہے، اسی طرح وہ صالحین کے صلاح کو دیکھ رہا ہے اور مجاہدین جو اللہ کے راستے میں کوشش و محنت کرتے ہیں' ان کی تمام کوششیں بھی اس کی نگاہ میں ہیں، اسی لیے اگر کوئی آدمی دین کے لیے جدو جہد کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے مدد کا وعدہ ہے، ارشاد ہے:

﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾(غافر: ۵۱) (یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ماننے والوں کی دنیاوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔)

اہل ایمان کا معاملہ صرف دنیا تک محدود نہیں بلکہ اس کے بعد کی زندگی سے بھی جڑا ہوا ہے، ہمیں اس دنیا میں اللہ نے کام کرنے کے لیے بھیجا ہے، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمیں اپنی ذمہ داری کا کوئی احساس نہیں، گویا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دین کا کام کرنے کی ذمہ داری ہماری نہیں بلکہ چند افراد کی ہے، کیا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم صرف گپ مارنے' وقت ضائع کرنے اور موبائل چلانے کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور دین کا کام کرنے کے لیے دوسرے لوگ ہیں، ہمیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں خواب وخیالات کی زندگی بسر کرنے کے لیے اور چند سکوں کو کمانے کے لیے اور دنیا کے اندر کچھ نام کمانے کے لیے پیدا نہیں کیا ہے بلکہ اس نے ہماری بہت اونچی قیمت لگائی ہے، اس کا اعلان یہ ہے کہ ایک مسلمان کو سوائے اللہ کے کوئی دوسرا خرید نہیں سکتا، ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾(التوبۃ: ۱۱۱) (بلاشبہ اللہ نے ایمان والوں سے ان کے مالوں اور جانوں کو اس عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کے لیے جنت ہے۔)

اپنی حقیقت کو پہچاننا اور اپنے مقام ومنصب سے واقف ہونا بہت ضروری ہے، اس سے بڑھ کر افسوس کا مقام کیا ہوگا کہ آج ہمیں خود مسلمانوں سے یہ اپیل کرنی پڑ جائے کہ تم اپنی اولاد کو سچا مسلمان بناؤ، صاحب ایمان بناؤ۔ یاد رکھیں! اگر کسی نے عصری تعلیم کو دین پر فوقیت دی تو اس نے گویا اپنے آپ کو اللہ کے سامنے ذلیل ہونے کے لیے پیش کیا۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے مقابلہ میں بھی دنیاوی علم کو پیش کیا گیا تھا، ممکن ہے کہ وہ علم مفید ہو لیکن اسی علم کو انبیاء علیہم السلام کے علم کے مقابلہ میں جب پیش کیا گیا تو اللہ نے انھیں اس طرح رگڑا کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا، ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾(غافر: ۸۳) (بس جب ہمارے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو ان کو اپنے علم پر ناز ہوا اور بالآخر جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے اسی کی لپیٹ میں آگئے۔)

انبیاء دنیا میں وہ علم لے کر آئے جس کی بنیاد عمل پر، اخلاص پر اور تقویٰ پر تھی، اب اگر اس علم کے مقابلہ میں کوئی دوسرا علم لایا جائے اور اس پر ناز کیا جائے، پھر انبیاء کے علم کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر نجس اور ملعون کوئی نہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ موجودہ حالات میں اگر مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ وہ وقت کا دھارا بدل دیں اور حالات پر اثر انداز ہوں تو انھیں اپنی نسل نو کو انبیاء کے مشن اور ان کے علوم سے مناسبت پیدا کرنی ہوگی اور اپنی زندگی کا محور وہی بنانا ہوگا جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا تھا، یہی وہ راستہ ہے جو دنیا وآخرت میں کامیابی کا ضامن ہے۔

امریکہ کی دوسرے ملکوں پر پیش قدمیاں

اسباب اور نتائج

سید محمد مکی حسنی ندوی

امریکہ کے جرم کی تاریخ ایک طویل اور متنازعہ سلسلے پر مشتمل ہے جس کے اثرات دنیا کے مختلف خطوں میں آج تک محسوس کیے جاتے ہیں، اس تاریخ کا آغاز مقامی امریکی باشندوں (ریڈ انڈینز) کی نسل کشی سے ہوتا ہے جنھیں زمینوں سے بے دخل کیا گیا اور لاکھوں افراد قتل یا جبری ہجرت پر مجبور ہوئے۔ اس کے بعد افریقی غلامی کا ظالمانہ نظام قائم ہوا جس میں انسانوں کو خرید و فروخت کی جنس بنا دیا گیا اور صدیوں تک ان پر ناقابل بیان مظالم ڈھائے گئے۔

بیسویں صدی میں امریکہ نے سامراجی طاقت کے طور پر کئی ممالک میں مداخلت کی۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرانا انسانی تاریخ کا بدترین جرم سمجھا جاتا ہے جس میں لاکھوں بے گناہ شہری لقمہ اجل بنے۔ ویتنام، کوریا، عراق اور افغانستان کی جنگوں میں بھی لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں اور پورے کے پورے معاشرے تباہی سے دوچار ہوئے۔ گوانتاناموبے جیل، ابوغریب کے تشدد اسکینڈل اور ڈرون حملے انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کی مثالیں ہیں۔

اس کے علاوہ امریکہ نے دنیا بھر میں آمریتوں کی حمایت، منتخب حکومتوں کا تختہ الٹنے اور معاشی پابندیوں کے ذریعے عوام کو اجتماعی سزا دینے جیسے اقدامات کیے۔ اگرچہ امریکہ خود کو جمہوریت اور انسانی حقوق کا علمبردار کہتا ہے لیکن اس کے جرم کی تاریخ اس دعویٰ پر سنجیدہ سوالات کھڑے کرتی ہے۔

امریکہ کی دیگر ملکوں پر پیش قدمیاں ایک طویل تاریخی تسلسل رکھتی ہیں جن کے پیچھے جغرافیائی، سیاسی، معاشی اور نظریاتی عوامل کارفرما رہے ہیں۔ یہ پیش قدمیاں اکثر فوائد کے دعووں کے باوجود تباہ کن نتائج کا باعث بنی ہیں۔

امریکہ نے 1776ء سے اب تک 500 سے زائد فوجی مداخلت کی ہیں جن میں سے 60 فیصد 1950ء کے بعد ہوئیں اور ایک تہائی 1999ء کے بعد۔ یہ پیش قدمیاں، مداخلت (interventions) یا فوجی اقدامات (military advances) کی صورت میں ہوئیں جن کا مقصد امریکہ کی قومی سلامتی، جمہوریت کی حفاظت یا انسانی حقوق کو یقینی بنانا بتایا جاتا ہے جبکہ اس کے پس پردہ کچھ اور ہی منصوبہ بندی عمل میں ہوتی ہے۔ تاہم اکثر علاقائی عدم استحکام، معاشی نقصانات اور دہشت گردی کا الزام لگایا جاتا ہے۔

امریکہ کی مداخلتوں کا آغاز 19ویں صدی میں جنوبی امریکہ اور ایشیا میں ہوا جیسے 1858ء میں پیرا گوئے پر حملہ اور 1871ء میں کوریا پر چھاپہ۔ 20ویں صدی میں پہلی اور دوسری عالمی جنگوں نے امریکہ کو عالمی طاقت بنا دیا جس کے بعد سرد جنگ (1948-1991) میں 200 سے زائد مداخلتیں ہوئیں۔ 1991ء کے بعد واحد قطبی دنیا میں مداخلتوں کی تعداد بڑھ کر 251 ہوگئی بشمول عراق، افغانستان اور لیبیا۔

امریکہ کی مداخلتیں اکثر قومی سلامتی، اقوام متحدہ کے اتحادیوں کی حفاظت کے عنوان سے ہوئیں جب کہ اس کا اصل مقصد حلیفوں کی امداد اور حریفوں کو روکنا اور خاص کر وسائل جیسے تیل، مادی ذخائر پر بالا دستی ثابت کرنا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر مشرق وسطیٰ میں مداخلتوں کا تعلق اسرائیل کی حمایت اور ایران جیسے حریفوں کو روکنے سے ہے جہاں امریکہ نے 228 ارب ڈالر فوجی امداد دی۔

معاشی طور پر مداخلتیں امریکی کمپنیوں (جن کی بنیاد پر امریکی حکومت کا استحکام ممکن ہوتا ہے) کی حفاظت اور مارکیٹوں میں ان کی بالادستی قائم رکھنے کے لیے تھیں جیسے گوئٹے مالا (1954) میں یونائیٹڈ فروٹ کمپنی کی جائیداد کی حفاظت اور چلی (1973) میں آلینڈی (Allende) کی حکومت کا تختہ الٹنا۔

انسانی حقوق اور جمہوریت پھیلانے کا خوبصورت دعویٰ بھی اہم سبب رہا جیسے صومالیہ (1993) میں انسانی بحران روکنا یا عراق میں صدام کو ہٹانا۔ رپورٹس بتاتی ہیں کہ انسانی حقوق کی حفاظت مداخلت کا سب سے مضبوط محرک ہے۔

ویت نام جنگ (1960-1975):

امریکہ نے کمیونزم روکنے کے لیے مداخلت کی، ویتنام جنگ میں امریکہ کی مجرمانہ حرکات انسانی تاریخ کے سیاہ ابواب میں شمار ہوتی ہیں۔ اس جنگ کے دوران 58,000 امریکی فوجی ہلاک ہوئے لیکن امریکی افواج نے بڑے پیمانے پر شہری آبادی کو نشانہ

بنایا۔ نیپالم بموں اور ایجنٹ اورنج جیسے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال سے لاکھوں افراد ہلاک، معذور اور بیمار ہوئے، جن کے اثرات آج تک جاری ہیں۔ مائی لائی قتل عام میں سینکڑوں بے گناہ عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل کیے گئے۔ دیہات جلانا، اجتماعی قتل، جبری نقل مکانی اور تشدد معمول بن چکا تھا۔ یہ تمام اقدامات بین الاقوامی قوانین اور انسانی اقدار کی صریح خلاف ورزی تھے۔ اس جنگ میں امریکہ کی شکست اور علاقہ عدم استحکام سے زمانہ تک جوجھتا رہا۔

افغانستان (2001-2021):

افغانستان کی جنگ میں امریکہ کی مجرمانہ حرکات نے انسانی حقوق اور بین الاقوامی قوانین کو شدید نقصان پہنچایا۔ 9/11 کے بعد القاعدہ اور طالبان کے خلاف 20 سالہ جنگ جس میں 2,400 امریکی ہلاک اور 2.26 ٹریلین ڈالر خرچ ہوئے۔ فضائی بمباری اور ڈرون حملوں میں ہزاروں بے گناہ شہری، خصوصاً عورتیں اور بچے، جان سے گئے۔ شادیوں، جنازوں اور دیہات پر حملے معمول بنے۔ گوانتاناموبے اور بگرام جیلوں میں قیدیوں پر تشدد، غیر قانونی حراست اور تضحیک آمیز سلوک کیا گیا۔ رات کے چھاپوں میں گھروں کی بے حرمتی اور جبری گرفتاریاں ہوئیں۔ دو دہائیوں کی جنگ نے افغانستان کو تباہی، غربت اور عدم استحکام کے سوا کچھ نہ دیا۔ اس جنگ میں طالبان کی واپسی ہوئی اور امریکہ کا انخلاء ہوا۔

عراق (2003-2011):

عراق جنگ میں امریکی مجرمانہ حرکات نے خطے کو شدید تباہی سے دوچار کیا۔ بڑے پیمانے تباہی کے ہتھیاروں کے جھوٹے دعووں پر حملہ جس سے 4,900 امریکی اور لاکھوں عراقی ہلاک ہوئے، 2 ٹریلین ڈالر خرچ، عراق کی مکمل بربادی اور داعش کا عروج ہوا۔ 2003 میں جھوٹے الزامات، خصوصاً کیمیائی ہتھیاروں کے بہانے، عراق پر حملہ کیا گیا۔ اس جنگ میں عراق کا بنیادی ڈھانچہ تباہ ہو گیا۔ ابوغریب جیل میں قیدیوں پر تشدد اور تضحیک نے امریکی دعوائے انسانی حقوق کو بے نقاب کیا۔ فلوجہ پر بمباری، وائٹ فاسفورس کا استعمال، ڈرون حملے اور نجی فوجی کمپنیوں کی زیادتیاں بھی سنگین جرائم میں شامل ہیں۔ اس جنگ نے عراق کو عدم استحکام، فرقہ واریت اور بدامنی کے دہانے پر پہنچا دیا۔

مداخلتوں سے لاکھوں شہری ہلاک، اربوں ڈالر ضائع اور پناہ گزین بحران پیدا ہوئے، جیسے عراق اور افغانستان میں 3 ملین سے زائد نقل مکانی۔ امریکہ کا کل خرچہ ہزاروں بلین ڈالر ہے۔

ان مداخلتوں نے کئی گروہوں (جیسے داعش، القاعدہ) کو جنم دیا اور علاقائی طاقتوں (ایران، روس) کو مضبوط کیا۔ امریکہ کی عالمی ساکھ متاثر ہوئی جیسے لیبیا میں ناکامی سے یورپ میں مہاجرین کا بحران۔

یہ پیش قدمیاں بین الاقوامی قوانین کو کمزور کرتی ہیں اور اتحادیوں کی اعتماد ختم کرتی ہیں، جیسے نیٹو میں تناؤ۔

حال میں امریکہ کی جانب سے وینیز ویلا کے صدر کو اغوا کرنے کا واقعہ پیش آیا۔ وینیز ویلا کی حکومت نے دعویٰ کیا کہ امریکہ نے خفیہ کارروائیوں اور کرائے کے فوجیوں کے ذریعے صدر نکولس مادورو کو ہٹانے یا اغوا کرنے کی سازش کی، تاکہ ملک میں اپنی مرضی کی حکومت قائم کی جا سکے۔ 2020ء میں ایک ناکام کارروائی کے بعد یہ الزامات مزید مضبوط ہوئے، جن میں امریکی شہریوں کی گرفتاری بھی شامل تھی۔

دوسرا حالیہ واقعہ ICE (امریکی امیگریشن اینڈ کسٹمز انفورسمنٹ) کا دہشت گردانہ طرزِ عمل پیش آیا ہے۔ حکومت کی طرف سے یہ حکم نافذ ہوا ہے کہ یومیہ تین ہزار لوگوں کو گرفتار کر ڈیٹنشن میں ڈالنا ہے۔ اس حکم نامہ کے بعد ICE والوں پر اس قدر بوجھ ہے وہ کسی کو بھی بلاتفریق گرفتار کر رہے ہیں، یہ پہلی دفعہ ہے جب امریکہ کی اندروں پالیسی اتنی بے کار ہوئی ہے، اس نتیجہ یہ ہے کہ چھاپوں، جبری گرفتاریوں، حراستی مراکز میں مبینہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور خوف کی فضا قائم کرنے سے عام شہریوں میں عدم تحفظ کی فضا عام ہو رہی ہے۔

امریکہ کی پیش قدمیاں اکثر قلیل مدتی فوائد پر طویل مدتی نقصانات ثابت ہوئیں، جو امریکی خارجہ پالیسی اور اب داخلہ پالیسی کی از سر نو جائزہ طلب کرتی ہیں۔ مستقبل میں بھی ایسے حالات دیکھنے کو مزید ملیں گے کیونکہ امریکی حکومت اسرائیل اور اپنے ملک کے سرمایہ داروں کے مفاد میں کام کرتے ہیں، اور ان کا یہ نعرہ وقتاً فوقتاً سنائی دکھائی دیتا ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ”یہ طاقتوروں اور بہادروں کا ملک ہے“، مزید ”ہم پر عالمی قوانین نافذ نہیں ہوتے!“

الحاد کا طوفان: اسباب اور حل

محمد نجم الدین الرحیمی ندوی

حصولِ علم و آگہی کے لیے قدرت کا انمول عطیہ حواس خمسہ ہیں جن کے ذریعہ یقین وایقان کا علم حاصل کر سکتے ہیں پھر بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں حواس نہ تو اثبات میں جواب دیتے ہیں اور نہ ہی نفی میں، کیونکہ یہ حواس زندگی کے پابند اور اس کی حد کے اندر محدود ہیں، اس لیے زیادہ سے زیادہ محسوس ہونے کا انکار کیا جاسکتا ہے لیکن موجود ہونے کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لیے یاد رہنا چاہیے کہ محسوس اور موجود الگ الگ چیزیں ہیں، اس سلسلہ میں ایک خاص علمی اصول نظر میں رہے کہ ”عدم علم عدم وجود کا سبب نہیں ہوتا۔“ اگر کوئی نابینا عدم بینائی کے سبب منظر نہ دیکھ سکے تو اس کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ منظر موجود نہیں ہے۔ موجود کا حواس کے ذریعہ ادراک بہت سی جگہوں پر ممکن نہیں، وہاں اگر عقل وخرد کے سہارے ان معموں کا حل تلاش کیا جائے تو محض عقل اس میدان میں تنہا کافی نہیں اور عقل بھی بے بس ہوتی نظر آئے گی، مدعیان عقل وخرد نے بہت سے مسائل کے حل کی خودفریبی میں آکر جستجو کی اور قیاس آرائیوں اور نکتہ آفرینیوں کے سہارے مسائل کی تفصیل اور حل کا سفر کیا، اس فلسفہ ومنطق نے بادۂ پیمائی کے باوجود نارسائی وعلمی تہی دامن ہونے کا اظہار واعتراف کیا، یہاں شاید اس مثال سے بھی مدد لی جاسکتی ہے جسے ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں پیش کیا ہے کہ

”ایک شخص نے ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لیے ہے، اس کو اسی ترازو میں پہاڑوں کے تولنے کا شوق پیدا ہو گیا جو ناممکن ہے، اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے، اسی طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس سے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی، وہ اللہ اور اس کی صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی، اس لیے کہ وہ اس کے وجود کا ایک ذرہ ہے۔“

حقیقت تو یہ ہے کہ ان الٰہیاتی علوم ومسائل کے حل میں اخلاقی وجدان اور مذہبی ایمان کی ضرورت ہوتی ہے، جس کی اساس واصول وحی الٰہی اور منزل کتاب ہے جو ہم تک نبوت اور رسالت کے ذریعے پہنچے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ ایک زمانہ تک انسان خود تراشیدہ بتوں کی پرستش کرتا رہا اور جب ان بتوں اور بے بس خداؤں کی جگہ نہ رہی تو خود ساختہ فلسفہ ونظریہ کو بت بنا کر اس کی پرستش میں لگ گیا، اس خود ساختہ نقطہ ہائے نظر میں تیزی سے اضطراب وتلاطم اور طوفان آئے، اس لیے حالات میں تیزی سے تبدیلی و بدلاؤ کی بنا پر اسلام کے مقابلہ میں یہ تمام فلسفے ناکام نظر آئے اور آگے چل کر بے بس وعاجز ہونا نمایاں ہو گئے، اس کے ساتھ انسان وانسانیت کو اس مقام پر لے آئے کہ تباہی وبربادی کے سامان اس کے سروں پر لے آئے، یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ مذہبی ہدایت، انبیائی تعلیمات اور رہنمائیوں کو انگیز کر کے ماضی کی تلاش اور مستقبل کی فکر میں انسانی ذہن میں ابھرنے والے بنیادی سوالات کو حل کرنے کے لیے علوم عقلی اور فلسفہ وسائنس کو خدا سمجھ لیا گیا، یہ بھی نہ دیکھا گیا کہ فلسفہ وسائنس کی حد پرواز کیا ہے؟ جب کہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ فطرت اور سائنس ثبوت دیتے ہیں کہ کائنات کا ایک خدا ہے۔

مذہب ہی ہے جو انسانی ذہن وعقل میں ابھرنے والے تمام بنیادی سوالات کے تشفی بخش جواب دیتا ہے، اس نے ہر طرح کے شک وارتیاب سے بلند ہو کر اور انسانی عقل وفہم کو تخمین وظن کے جاں گسل درد وتکلیف سے بچا کر حقیقت وصداقت سے روشناس کرایا، یقین کی لازوال نعمت عطا کی اور اسلام کی بیش قیمت دولت سے مالا مال کیا۔ اس کے برخلاف فلسفہ اور اس کی ایک اہم شاخ مابعد الطبعیات نے ان سوالات کو چھیڑنے کی بے باکانہ جرأت کی جن کی گرہ کشائی کا حق صرف اور صرف مذہب کا تھا، اس نے غیبی حقائق اور مذہبی امور کو عقل ودانش کی گرفت میں لانے کی غیر ضروری کوشش کی، مولانا عبدالباری ندویؒ نے بالکل سچ کہا ہے کہ

”سائنسی قوانین اور وحشیوں جنگلیوں کے دیوی دیوتاؤں میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔“ (مذہب وسائنس: ۲۳۶)

فلاسفہ اور اہل سائنس کے یہاں بے شمار انسانی ضروریات اور انسانی ذہن ودماغ میں ابھرنے والے اہم مسائل کا کوئی صحیح حل موجود

نہیں، ان کو اپنی عجز ودر ماندگی اور کوتاہ بینی وکوتاہ دستی کا احساس اور اس کا اعتراف بھی ہے، دورِ کہنہ کے حکماء میں خود حکیم سقراط جن کے فلسفیانہ نظریات وافکار کو فکر ونظر اور عقل ودانش کی تاریخ ارتقاء میں نقطہ عروج مانا جاتا ہے، اس نے اعتراف کرتے ہوئے اپنے خیال کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے کہ ''ہم اتنا بھی نہیں جانتے کہ نہیں جانتے۔''

(وحی الٰہی: ۱۰، طبع دہلی)

ایک مشہور فلسفی ڈیوڈ ہیوم (David Hume) نے بھی جو ارتیابی تھا' کھلے الفاظ میں عقل انسانی کی کوتاہی وفکر کی نارسائی وعجز کا اعتراف واقرار کیا ہے: ''انسانی عقل مخلوق ہے اور اس لحاظ سے علم اس کی خاص غذا ہے لیکن ساتھ ہی انسان ذی عقل وفہم کے حدود اتنے تنگ ہیں کہ اس باب میں اس کو وسعت واذعان دونوں حیثیات سے بہت ہی کم فتوحات سے تشفی نصیب ہوسکتی ہے۔''

(وحی الٰہی: ۱۰، طبع دہلی)

عہد جدید میں فلسفہ وکلام کے متکلم ومعلم مولانا عبدالباری ندویؒ نے جن کی مذہب وعقلیات کی ہمہ دانی کا زمانہ کو اعتراف ہے' فہم انسانی کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''مکمل سے مکمل فلسفہ طبعی بھی صرف یہ کرتا ہے کہ ہمارے جہل کو ذرا اور دور کر دیتا ہے، جس طرح مکمل سے مکمل فلسفہ مابعد الطبعیات اور اخلاقیات کا صرف یہ کام ہوتا ہے کہ ہمارے اس جہل کے وسیع حصوں کی پردہ دری کر دیتا ہے، مطلب یہ ہے کہ فلسفہ اسرارِ کائنات کی نہیں' صرف ہمارے جہل کی پردہ دری کرتا ہے، اس کا حاصل اگر کچھ تھا یا ہوسکتا ہے تو انسان کی کمزوری اور کورچشمی کا تماشا دیکھنا دکھانا جس سے بھاگنے کی کوشش کے باوجود بار بار دوچار ہونا پڑتا ہے۔''

(فہم انسانی: ۳۱، اعظم گڑھ)

فلسفہ کی قدیم وجدید تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو اس کا کمال دانش وخرد یہ ہے کہ نہیں جانتا، ساتھ ہی یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ ظواہر عالم کے بارے میں ہم بہت کچھ جانتے یا جان سکتے ہیں لیکن حقائق عالم کی نسبت کچھ جاننے کا دعویٰ کریں تو نرا جہل مرکب ہوگا، فلسفہ وسائنس نے جہاں اس کو عقل وخرد کی روشنی میں تجربہ کی راہ پر حل کرنے کی فکر وکوشش کی تو اس سے چند قدم بھی آگے بڑھا نہیں سکا کہ شک وارتیاب، جہل ولاعلمی کے دلدل میں پھنس کر رہ گیا، قدیم فلسفہ کا آغاز جس طفلانہ تجسس سے ہوا تھا' پیرانہ شک وارتیاب اور لاادریت پر خاتمہ ہوگیا لیکن جدید فلسفہ نے اسی پیرانہ شک وارتیاب کی کوکھ سے جنم لیا، جلد ہی اس کی مایوسی اور عجز سامنے آئے گی اور مذہب کے زیر اثر آکر وحی والہام کے دامن میں پناہ لے گی، کیوں کہ تاریخ مسائل فلسفہ میں جائنٹ نے لکھا ہے:

''ہم کو حصول صداقت سے مایوس ہوجانا چاہیے بجز اس صورت کے کہ ہم یہ مان لیں کہ اس کا علم براہ راست خود اسی کی ذات کی طرف سے عطا ہوتا ہے جو اس کا ابدی سرچشمہ ہے یعنی خود خدا کی طرف سے اور یہی وہ آخری حل تھا جو نوفلاطونیین نے اختیار کیا اور جس کو ارتیابیت نے ناگزیر کر دیا تھا، علمی تفکر کی راہ سے حصول یقین کی مایوسی ہی اس پر مجبور کرسکتی تھی کہ صداقت کو وحی کے اندر پانے کی کوشش کی جائے جو فکر سے بالاتر ہے۔''

(فہم انسانی: ۱۲، بحوالہ تاریخ مسائل فلسفہ: ۱۱۴)

فلسفہ جدید نے شک وارتیاب کی جس وادی سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا، اس نے اس شک کو ناقابل شک بنانے کی خاطر اس کی تلاش کے لیے تھا اور وہ شک کے حدود سے باہر نہیں آسکا، یہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالباری ندوی نے فرمایا کہ ''سچ یہ ہے کہ اس کے بعد جدید فلسفہ کی تاریخ زیادہ تر نام بدل بدل کر کھلے یا چھپے اقرارِ جہل کی تاریخ بن کر رہ گئی، لاکؔ کے ہاں یہ اقرار حسیت کے نقاب میں ہے اور برکلےؔ کے ہاں ادعائے تصوریت کے مگر اتنی باریک اور شفاف کہ روپوشی سے زیادہ رونمائی کی زینت ہے، آخر برکلےؔ کے بعد ہی ڈیوڈ ہیوم نے اس رونما نقاب کو بھی تار تار کر دیا اور نہ صرف جہل وارتیابیت کا کھل کر اقرار کیا بلکہ اپنے کو ارتیابی ہی کہلانا پسند کیا۔'' (فہم انسانی: ۱۳)

الحاد اور لامذہبی دور کے تاریخی پس منظر میں اگر جھانک کر دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ اس کی خشت اول کج ہے، اس کی سرشت میں خدا بے زاری، دین فطرت سے انحراف، آخرت فراموشی اور جنسی بے راہ روی وانارکی جیسی صفات پنہاں ہیں اور روحانی زوال واخلاقی افلاس اور مذہب دشمنی مادہ ومادیت کی مشلول ترقی ہے۔ (جاری)

بات سمجھانے میں نرمی اور محبت

محمد امین حسنی ندوی

آپ ﷺ نہایت شفیق، بڑے مہربان اور بہت ہی نرم دل تھے، جب بھی دو کاموں میں سے آپ کو ایک کام کرنے کا اختیار دیا جاتا تو آپ اپنی امت کی آسانی کی خاطر آسان کام کو ترجیح دیتے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾(التوبة:۱۲۸)

(تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمہاری تکلیف اُن کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مؤمنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔)

ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میں ہلاک ہوگیا یا رسول ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: کیسی ہلاکت؟!

اس نے کہا: میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے صحبت کرلی۔

آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس غلام ہے جس کو آزاد کرسکتے ہو؟

اس نے کہا: نہیں۔

آپ ﷺ نے پوچھا: کیا دو مہینہ کے لگاتار روزے رکھ سکتے ہو؟

اس نے کہا: نہیں۔

آپ ﷺ نے کہا: کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟

اس نے کہا: نہیں۔

وہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہی رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس کچھ کھجوریں آئیں، آپ ﷺ نے اس سے کہا: ان کھجوروں کو صدقہ کردو، اس نے کہا: کیا مجھ سے زیادہ کوئی ان کھجوروں کا مستحق ہوسکتا ہے؟ اس کی بات سن کر آپ مسکرائے حتی کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک چمکنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور ان کھجوروں کو اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔ (متفق علیہ)

آپ ﷺ کی نرمی، شفقت اور محبت سے ہر شخص واقف تھا، آپ کو جو تکلیف پہنچاتا آپ اس کو ہدیہ دیتے، آپ ﷺ کی پوری زندگی عفو ودرگزر میں گزری، آپ ﷺ کی رحمت پوری انسانیت کے لیے تھی۔

حضرت معاویہ بن الحکم السلمیؓ سے مروی ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، اتنے میں ایک شخص کو چھینک آگئی، میں نے اس پر کہہ دیا: ”یرحمك الله“، لوگوں نے مجھے ترچھی نگاہوں سے دیکھا، میں نماز ہی میں بول پڑا، کیا بات ہے؟ تم سب اس طرح مجھے کیوں دیکھ رہے ہو؟ وہ سب اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنے لگے، جب میں نے دیکھا کہ وہ سب مجھ کو چپ کرا رہے ہیں تو میں خاموش ہوگیا، قربان جائیں میرے ماں باپ آپ ﷺ کی ذات پر آپ ﷺ جیسا معلم اور مربی میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے نہ مجھے ڈانٹا، نہ مارا، نہ ملامت کی، صرف اتنا فرمایا:

”إن هذه الصلوٰة لايصلح فيها شئ من كلام الناس إنما هو التسبيح والتكبير وقراء ة القرآن.“

(نماز میں انسانی کلام درست نہیں، نماز نام ہے تسبیح وتکبیر کا اور قرآن مجید کی قرأت کا۔)

یہ آپ کی اپنی امت کے ساتھ مہربانی ہی تھی کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو صوم وصال سے منع کیا کہ کہیں اس پر فرض نہ کردیا جائے، مسواک کو فرض نہیں کیا کہ کہیں یہ فرضیت امت پر دشوار نہ ہوجائے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے، ایک شخص کھڑا ہوکر پیشاب کرنے لگا،

صحابہ کرامؓ اس کو روکنے کے لیے آگے بڑھے۔ آپ ﷺ نے کہا: اس کو چھوڑ دو، کچھ مت کہو اور پیشاب کر لینے دو، جب وہ پیشاب کر چکا تو آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور اس سے محبت ونرمی سے کہا: یہ مسجد ہے اور اس میں پیشاب کرنا منع ہے، یہ جگہ صرف خدا کے ذکر، اس کی یاد اور اس کی کتاب کی تلاوت کے لیے ہے پھر آپ ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ایک ڈول پانی لا کر اس پر بہا دو، وہ صاحب پانی لے آئے اور جس جگہ پیشاب کیا گیا تھا اس جگہ پر پانی بہا دیا گیا اور بات یہیں پر ختم ہوگئی۔

ایک نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے۔

لوگوں کو اس کی بات پر سخت غصہ آیا لیکن آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: میرے قریب آؤ، جب وہ آپ ﷺ کے قریب آ گیا تو آپ ﷺ نے اس سے کہا: کیا تم اپنی ماں کے ساتھ یہ حرکت کرنا پسند کرو گے؟

اس نے کہا: خدا کی قسم! بالکل نہیں۔

آپ ﷺ نے کہا: دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ اس کو پسند نہیں کرتے، کیا تم اپنی بیٹی کے ساتھ یہ حرکت کرنا چاہو گے؟

اس نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! ہرگز نہیں۔

آپ ﷺ نے کہا: دوسرے لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے ساتھ اس کو پسند نہیں کرتے پھر آپ نے پوچھا: کیا تم اپنی بہن کے ساتھ ایسا کام کرنا پسند کرو گے؟

اس نے کہا: خدا کی قسم! نہیں۔

آپ ﷺ نے کہا: دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں سے یہ کرنا پسند نہیں کرتے، کیا تم اپنی پھپھیوں سے کرنا پسند کرو گے؟

اس نے کہا: نہیں، خدا کی قسم!

آپ ﷺ نے کہا: لوگ بھی اپنی پھپھیوں سے یہ کرنا پسند نہیں کرتے، کیا تم اپنی خالہ سے کرنا پسند کرو گے؟

اس نے کہا: نہیں، خدا کی قسم!

آپ ﷺ نے کہا: لوگ بھی اپنی خالاؤں سے کرنا پسند نہیں کریں گے پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور کہا:

"اللّٰهم اغفر ذنبه وطهر قلبه وحصّن فرجه." (أحمد)

(اے اللہ! اس کے گناہوں کو معاف فرما، اس کے دل کو پاک وصاف فرما، اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما۔)

پھر اس کے بعد اس نے کبھی یہ نہ سوچا۔

اس نرم گفتگو اور حکیمانہ اسلوب نے یقیناً اس نوجوان کے دل کی دنیا بدل دی ہوگی اور اس کے دل میں میں زنا کی ایسی نفرت پیدا کر دی ہوگی کہ پھر کبھی اس کے دل میں اس طرح کا خیال نہیں آیا۔

اس طرز کا انداز جب اپنایا جائے گا اور اس اسلوب دعوت کو اختیار کیا جائے گا تو کیا اسلام سے کوئی برگشتہ ہوگا؟ اسلامی تعلیمات کسی کو نفرت میں مبتلا کر سکتی ہیں؟ علماء کے تعلق سے جو بدگمانیاں عام ہیں' کیا اس کا خاتمہ اس محبت اور نرم مزاج سے نہیں ہو سکتا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو جو ہمارے لیے اسوہ بنایا گیا ہے اس میں یہ سب ہے کہ کیسے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز انداز، آپ کا طرز خطابت' سب کچھ اخذ کریں اور اسی طریقے اور اخلاص کی اس دولت کے ساتھ امت میں دعوت کا فریضہ انجام دیں۔

اخلاص کا فائدہ

''اگر ہر کام اللہ کے لیے کرنے کا جذبہ ہوگا تو عمل میں پائیداری ہوگی، اگر اللہ کے علاوہ کے لیے کرو گے تو پھر تھک ہار کر بیٹھ جاؤ گے، اللہ کے لیے کام کرنے والا کبھی نہیں تھکتا اور نہ اس کو قلت وکثرت کی فکر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو ایک سے بھی ہزاروں کے کام لے سکتے ہیں، شرط یہ ہے کہ کام کرنے والا صرف اللہ کی رضا کے لیے کام کرے۔''

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

رات کے آخری پہر

محمد مصعب ندوی بارہ بنکوی

موسم سرما کے ساتھ ہی ہواؤں کے تیور بدل جاتے ہیں، ہر سمت یخ بستہ ہواؤں کا راج ہوتا ہے، سرد ہوا کی بے رحم لہریں انسانی وجود کو کپکپانے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ کئی کئی دن آسمان پر لالی کا نام ونشان تک نہیں ہوتا ہے، سورج کی شعائیں گویا زمین سے سیدھے منھ بات نہیں کرتی ہیں، سرد علاقوں میں تو کوہ ودمن برف کی سفید چادر اوڑھ کر خاموشی کی نیند سو جاتے ہیں اور یہاں سرمئی بادل بڑی تمکنت کے ساتھ آسمان کو اپنی جاگیر بنا لیتے ہیں، پرندے اپنے آشیانوں میں دبکے ہوتے ہیں، اولادِ آدم گھروں سے بہت کم نکلتی ہے، ٹھنڈی ہوائیں انہیں انگیٹھی سے چمٹے رہنے پر مجبور کر دیتی ہیں، دن مختصر ہو جاتے ہیں اور راتیں دراز، گویا وقت بھی سردی کے بوجھ تلے آہستہ آہستہ چل رہا ہوتا ہے، ایسی رت میں رات کا آخری پہر اور بھی بھاری محسوس ہوتا ہے۔ جب ساری کائنات پر نیند کی مدہوشی طاری ہوتی ہے، جب سردی نقطہ انجماد کو چھو رہی ہوتی ہے، لوگ اپنے نرم وگرم بستروں میں دبکے خوابوں کی دنیا میں کھوئے ہوتے ہیں، ایسے وقت میں بھی کچھ نفوس ہوتے ہیں جو نیند کو خیرآباد کہہ کر بستر مخمل وسنجاب کو چھوڑ دیتے ہیں اور ٹھنڈے پانی سے خود کو بھگو لیتے ہیں اور اپنے پروردگار کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں، ساری کائنات کے مالک کے سامنے پیشانی جھکا دیتے ہیں، اس کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں اور رات ودن کے الٹ پھیر، موسموں کے تغیر میں قدرتِ الٰہی کی نشانیاں تلاش کرتے ہیں۔

یہ کون لوگ ہیں جو پُرلطف نیند کے مزے کو ٹھکرا دیتے ہیں؟

کیا انہیں اٹھنے سے پہلے اپنے نفس کو سمجھانا نہیں پڑتا؟

کیا انہیں سردی کا احساس نہیں ہوتا؟

کیوں نہیں! وہ بھی تو مٹی ہی سے بنے ہوئے ہیں، ان کے جسم بھی سردی سے کانپتے ہیں، ان کے دل بھی آرام چاہتے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ وہ اپنے حقیقی محسن، اپنے ربِّ کریم کی احسان فراموشی نہیں کرنا چاہتے۔ انہیں اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتے ہوئے حیا آتی ہے۔ ان کے دل زندہ ہیں مگر یہ دل دنیا کے شور سے نہیں، خشوعِ الٰہی سے معمور ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ﴾ (یقیناً نماز بہت بھاری ہے مگر ان لوگوں پر نہیں جو خشوع رکھتے ہیں۔)

خشوع وہ کیفیت ہے جس میں دل پورے انہماک کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ یہ محض خوف نہیں اور نہ ہی صرف محبت بلکہ یہ محبت کی ردا میں لپٹا ہوا اپنے خالق کا لحاظ اور اس کا ڈر ہے، ایک ایسا لحاظ، ایک ایسی کھٹک جو بندے کو بار بار اپنے رب کی طرف کھینچ لاتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے ماں باپ کی اطاعت صرف محبت یا صرف ڈر کی بنیاد پر نہیں ہوتی بلکہ دل میں یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ کہیں ان کی نظر میں ہماری قدر کم نہ ہو جائے، کہیں ہمارا تاثر خراب نہ پڑ جائے۔ یہی کیفیت جب اللہ کے ساتھ پیدا ہو جائے تو بندہ گناہ سے رک جاتا ہے اور عبادت میں لذت محسوس کرنے لگتا ہے، اسے اپنی حقیقت کا ادراک ہو جاتا ہے، وہ سمجھ چکا ہوتا یہ دنیا کی مختصر سی آزمائش ہے جس کے بدلے میں جنت کی پرلطف دائمی حیات ہے اور سب سے بڑھ کر اپنے رب اپنے محبوب کی رضا ہے، پھر نماز بوجھ نہیں رہتی بلکہ دل کا سہارا بن جاتی ہے، خدا کے احکام کو بجالانے میں ایک نامعلوم سا لطف محسوس ہوتا ہے، ساری زندگی کا محور، ساری حیات کا حاصل خدا کی عاشقی اور اس کی بندگی میں جینا اور مرنا بن

جاتا ہے، یہی وہ کیفیت تھی جو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے اندر جلوہ گر تھی، جو انہیں راتوں کو جگائے رکھتی تھی، مدینہ منورہ کی سرد راتیں ہوں یا صحراء کی یخ بستہ ہوائیں، پہاڑی سفر ہوں یا جنگ کا میدان، ہر وقت وہ اسی خشوع الٰہی کی کیفیت میں مستغرق ہوتے تھے، کہیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آہ وزاری ہے جو تاریکیوں کو شق کرتی ہوئی عرش الٰہی تک پہنچ رہی ہوتی ہیں، تو کہیں رات کے اندھیرے میں مدینہ کی گلیوں میں امیر المومنین سیدنا عمر فاروق کے وہ گشت ہیں، کہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہ خشوع سے معمور سجدے ہیں کہ تیر نکال لیا جاتا ہے اور ان کی عبادت میں کوئی خلل نہیں پڑتا تو کہیں رات کے پردے میں حضرت عثمان ذوالنورین کی وہ پرکیف عبادت ہے، کہیں وہ آنکھیں ہیں جو خوف خدا میں اشکبار ہیں، ہاں کہیں وہ نرم دل بھی ہیں جو اپنے رب کے حضور لرز رہے ہوتے ہیں مگر وہی باطل کے سامنے فولاد بھی ہیں، ذرا ان مجاہدین اسلام کو بھی دیکھئے جو اپنے گھروں سے کوسوں دور ماں کی دعاؤں اور باپ کی نصیحتوں کو سینے سے لگائے ہوئے، بیوی اور بچوں کی حسین یادوں کی مسکراہٹوں کے ساتھ دل میں خدا کی محبت لیے ہوئے برفانی پہاڑیوں، ویران صحراؤں اور اجنبی سرزمینوں میں اللہ کے دین کے لیے کھڑے ہیں، کہیں دن کے اجالے میں خالد بن ولید کے فلک شگاف نعروں کی صدا ہے، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور تلواروں کی جھنکار ہے، ابوعبیدہ بن الجراح کی اولوالعزم داستان ہے، طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کی شاندار فتح ہے، صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کی جرأت وعزیمت کے واقعات ہیں مگر ان سب کے باوجود شام ڈھلتے ڈھلتے آپ دیکھیں گے جب رات اپنے پرسکون دامن کو پھیلاتی ہے، یہی عظیم فاتح وجرنیل اپنے اپنے ہتھیار ایک طرف رکھ کر خدا کر حضور عاجزی وانکساری کے ساتھ کھڑے ہیں، ان پر ایک گریہ طاری ہے، یہ سب کس کی خاطر ہے؟ محض اس رب ذوالجلال کی محبت واطاعت اور بندگی کی خاطر ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے موت کوئی حادثہ نہیں بلکہ ایک وعدہ ہے، زندگی کوئی آشائش نہیں بلکہ امانت ہے، ان کی آنکھوں میں نیند کم اور رب سے ملاقات کا انتظار زیادہ ہے، ان کے دل میں ماسوا اللہ تمام محبتیں مغلوب ہیں اور یہی محبت اور یہی فکر انہیں دشمن کے سامنے فولاد بنا دیتی ہے۔

سچ یہ ہے کہ یہی محبت الٰہی وخوف خدا جس کے دل میں بھی جاگزیں ہو جائے، اس کے لیے ہر ریاضت وعبادت آسان ہو جاتی ہے۔ حق کی راہ پر ڈٹ جانے کا جذبہ اس کے اندر موجزن رہتا ہے، پھر نہ موسم کی سختی، نہ حالات کی تنگی، نہ منجمد کر دینے والی سردی اس کے ارادوں کو پست کر سکتی ہے، نہ بارگاہِ الٰہی کی طرف اس کے بڑھتے ہوئے قدم کو ڈگمگا سکتی ہے اور باطل کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اسے راہِ حق سے ہٹا نہیں سکتی ہے، یہی وہ خدا کا لحاظ ہے جس کو ہمیں اپنے اندر پیدا کرنا ہے جو بندے کو اندھیری راتوں میں جگاتا ہے، سردی کی شدت میں بھی سجدے پر گرا دیتا ہے اور دنیا کے ہنگاموں کے بیچ اللہ سے جوڑے رکھتا ہے، یہی بندگی کی اصل روح ہے اور یہی وہ دولت ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے۔

دنیا میں زندگی کیسے گذاریں؟!

مولانا محمد الحسنیؒ

''یہ دنیا نیلام کی منڈی یا کوئی قمار خانہ نہیں جہاں صرف روپیہ پر بولی بڑھتی اور ہار جیت کا سودا ہوتا ہے، یہ خدا کی بنائی زمین اور خدا کا دیا ہوا عطیہ ہے، یہ خدا کی ایک بڑی نعمت اور ہماری بڑی نازک ذمہ داری ہے، یہ زندگی بار بار ملنے والی چیز نہیں، صرف ایک دفعہ کے لیے دی گئی ہے اور واپس لینے کے بعد پھر دوبارہ ہرگز نہ مل سکے گی، اس لیے اس کے مہکتے ہوئے گلزار اور چمن میں شریف اور ایمان دار، محنتی اور ذمہ دار انسانوں کی طرح رہنا چاہیے، درندوں یا مویشیوں کی طرح، یا چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح نہیں۔'' (جادۂ فکر وعمل: ۱۱۸-۱۱۹)

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟!

محمد ارمغان بدایونی ندوی

اس میں شبہ نہیں کہ کسی بھی قوم کا عروج وزوال اس کے نوجوانوں پر منحصر ہوتا ہے، اگر کسی قوم کا نیا خون گرم اور متحرک ہے، اس کے اندر مقصدیت اور عمل کا جذبہ ہے اور اس کے اندر سرفروشی کی تمنا اور کچھ کر گذرنے کا حوصلہ ہے تو اس قوم کا ستارۂ اقبال طلوع ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی اور اللہ کا قانون بھی یہی ہے کہ اگر اس دنیا میں کوئی محنت کرے گا تو اس کی کوشش رائیگاں نہیں جاسکتی، ارشاد ہے:

﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ (النجم: ۳۹)

(اور انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے محنت کی۔)

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں جب یہ کوشش ہوئی تو دنیا نے حیرت انگیز کارنامے دیکھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وفات سے قبل صحابہ کے ایک لشکر کا امیر حضرت اسامہؓ بن زید کو بنایا، وہ ایک نوجوان ہی تھے اور غالباً ان کی عمر سترہ یا اٹھارہ سال تھی، حضرت زید بن ثابتؓ جنھوں نے تدوین قرآن کی خدمت سب سے بڑھ کر انجام دی، وہ بھی ایک نوعمر صحابی تھے اور ان کی سولہ یا سترہ سال سے متجاوز نہ تھی، اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی شخصیت اور ان کی کم عمری سے کون ناواقف ہوگا، ان کے علاوہ بھی ایک بڑی تعداد ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہے جنھوں نے شرک وکفر کا قلع قمع کیا اور عرب وعجم میں اسلام کا پھریرا لہرایا۔ بلاشبہ ان کی نظیر پیش کرنے سے آج بھی دنیائے انسانیت عاجز ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ تاریخ اسلامی کے مختلف ادوار میں ایسے نوجوان اور افراد کار پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے زمانہ کا رخ موڑ دیا اور وقت کا دھارا تبدیل کر دیا تھا، اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا کہ برصغیر میں بھی جو اسلام پھلا اور پھولا وہ ایک نوجوان ہی کے آہنی عزم اور عاقلانہ نظم کا نتیجہ تھا، محمد بن قاسم ثقفی تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں یہاں فاتحانہ داخل ہوئے اور انھوں نے صرف جسموں ہی پر نہیں بلکہ دلوں پر بھی حکومت کی۔ تاریخ میں سلطان محمد فاتح کا نام بھی مٹایا نہیں جاسکتا جنھوں نے غالباً اکیس یا بائیس سال کی عمر میں اپنی زبردست حکمت عملی سے قسطنطنیہ پر فتح کا علم نصب کیا تھا۔

اخیر دور میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی مجاہدانہ زندگی بھی ایک غیر معمولی مثال ہے جن کے متعلق بعض اہل دل نے یہ گواہی دی ہے کہ ہم انہی کی تجدید کے زیر سایہ جی رہے ہیں، انھوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے انگریزوں کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا، حج کے فریضے اور بے شمار متروک سنتوں کا احیاء کیا اور ان کی ذات سے ایک عالم کو فیض پہنچا لیکن ان کی پوری مدتِ عمر مشکل سے ۴۵/سال رہی جس میں انھوں نے ایمان کی بادِ بہاری چلا دی۔

موجودہ دور میں اگر ہم نوجوان طبقہ کا جائزہ لیں تو پندرہ سے پچیس سال تک کی عمر والے یا اس سے بھی متجاوز نوجوانوں کا حال انتہائی ناگفتہ بہ ہے، عام طور پر یہ عمر پڑھنے لکھنے، ڈگری حاصل کرنے، ہنر سیکھنے اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے بعد شادی کے لائق ہونے کی سمجھی جاتی ہے، اگر کسی کا کوئی بہت بڑا ٹارگیٹ ہے تو زیادہ سے زیادہ اتنا کہ وہ کوئی افسر بن جائے یا بڑا تاجر وغیرہ، غرض کہ اگر ایک ایک علاقے کا سروے کیا جائے تو شاید ایسے نوجوان انگلیوں پر گنے جاسکتے ہوں جن کے اندر اپنی ذات سے آگے بڑھ کر قوم وملت کے لیے کچھ کرنے کا جذبہ اور احساس ہو۔

بلاشبہ یہ صورت حال انتہائی تشویش ناک ہے، جب قوم کا نیا خون ہی سرد پڑ جائے اور تیز وتند ہواؤں بلکہ طوفانوں سے بھی اس کا

ضمیر بیدار نہ ہوتو اس قوم کو برباد کرنے کے لیے کسی خارجی دشمن یا ایٹمی طاقت کی ضرورت نہیں بلکہ وہ خود قعرِ مذلت میں دھنستی چلی جائے گی۔ حیرت کی بات ہے کہ جس عمر میں تاریخ اسلامی کے ممتاز نوجوانوں نے ملت اسلامیہ کا سر فخر سے بلند کیا تھا، اس عمر میں آج کا نوجوان طبقہ اپنے مستقبل کو سنوارنے اور بنانے سے بھی قاصر نظر آتا ہے۔

وقت کا ضیاع، بے مقصدیت، بے حسی اور لاشعوری وغفلت اس دور کا ایک بڑا مرض ہے، اسی مرض نے ہمارے نوجوانوں کی طاقت کو دیمک کی طرح چاٹ کر کھوکھلا کر دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذہن ودماغ کی جو قوت اور صلاحیت لوگوں کو نفع پہنچانے کے لیے دی تھی، آج وہ طاقت بے محل خرچ ہو رہی ہے، نہ فرائض کا اہتمام ہے اور نہ حقوق وواجبات کا خیال بلکہ موبائل اور سوشل میڈیا سے دنیا شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی ہے، جس وقت کو دین اسلام کے تقاضوں اور اپنے روشن مستقبل کی تعمیر میں خرچ ہونا چاہیے تھا، آج وہ وقت نشے کی نذر ہو رہا ہے اور یہ نشہ صرف شراب کا نہیں بلکہ اس ترقی یافتہ دنیا میں نشے کی بھی متعدد شکلیں ہیں جیسے: ویڈیوز اسکرولنگ کا نشہ، گیمنگ کا نشہ، بلاگنگ کا نشہ، صرف اچھا کھانے اور اچھا پہننے کا نشہ، بے مقصد گھومنے پھرنے کا نشہ، مہنگی سے مہنگی اشیاء خرید کر اپنے شوق پورے کرنے کا نشہ، بدنگاہی کا نشہ، فحش مناظر کا نشہ، نفس پرستی کا نشہ، حلال وحرام کے درمیان تمیز نہ کرنے کا نشہ وغیرہ۔

واقعہ یہ ہے کہ نشے کی یہ وہ شکلیں ہیں جن میں بعض مرتبہ وہ لوگ بھی گرفتار نظر آتے ہیں جن کو سماج میں دین دار طبقہ کے اندر شمار کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ نشے کی وہ شکلیں جو صریح طور پر حرام اور تباہ کن ہے، ہمارے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ان نشوں کی بھی بری طرح عادی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج نہ ہمارے نوجوانوں کا مستقبل تاب ناک ہے، نہ ان کے گھر والوں اور قوم والوں کو ان سے کوئی بڑی توقعات وابستہ ہیں اور نہ ہی خود ان کے اندر وہ حقیقی صحت وقوت باقی ہے جو ایک نوجوان کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔

قربان جائیں نبی ﷺ پر جنھوں نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو صحیح سمت عطا کی اور مردہ دلوں کی مسیحائی کا فریضہ انجام دیا، آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ خالق کو مخلوق سے جوڑنے کا کام کیا بلکہ اس دنیائے انسانیت کو ایک ایسا کامل ومکمل نظام بھی عطا فرمایا جو قیامت تک کے لیے کافی ہے اور ہر انسان کی تعمیر وتشکیل اور اس کی فلاح یابی کا راز اس میں مضمر ہے۔ نوجوانوں کے متعلق آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص طور پر یہ بات ارشاد فرمائی تھی:

"نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ؛ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ."

(دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے سلسلہ میں اکثر لوگ غفلت میں ہیں؛ ایک صحت اور دوسرے فرصت کا وقت۔) (بخاری: ۶۴۱۲)

یہ حدیث ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ ہم اپنے زمانۂ صحت وقوت کو کارآمد بنائیں اور اپنی زندگی کو منظّم ومرتب بنائیں، خوش قسمت ہے وہ نوجوان جس نے اپنی عمر عزیز کے ایک ایک لمحے کی قدر کی، اس سے نفع حاصل کیا اور اپنے وقت کو ضائع ہونے سے بچالیا۔

کسی مردِ دانا نے بڑی عارفانہ بات ارشاد فرمائی تھی کہ اس وقت یہ امت بے دین بھی ہے اور بے بس بھی، ایسے حالات میں ضرورت ہے کہ اس ملت کا نوجوان طبقہ ناخدائی کا فریضہ انجام دینے کے لیے آگے آئے، دشمنان دین کی چالوں کو ناکام بنانے کا عزم کرے اور اس دین کو سربلند کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دے، اس وقت ہر سطح پر کام کرنے کی شدید ضرورت ہے، ضرورت اسکولوں کے اندر دبے پاؤں ارتداد کا طوفان روکنے کی بھی ہے اور ضرورت مدارس کے اندر بڑھتی ہوئی غفلت اور بے مقصدیت کو ختم کرنے کی بھی ہے، ضرورت سرمایہ دار اور ملازم پیشہ طبقے میں دین پر اعتماد بحال کرنے کی بھی ہے اور ضرورت ہر شعبے میں اسلامائزیشن کرنے کی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ کام جس قدر مستعدی اور ہمہ گیری کے ساتھ نوجوان طبقہ انجام دے سکتا ہے، کوئی دوسرا شاید ہی اس کے بقدر انجام دے سکے۔

﴿لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا﴾ (الطلاق: ۱)

(شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے۔)

ہماری ناکامی کی ایک بڑی وجہ

حضرت مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

''یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم جگہ جگہ ناکام ہیں اور ہمیں اپنی ناکامی کا احساس بھی ہے اور ناکامی کے اسباب کی تلاش بھی، ناکامی کی ایک بڑی وجہ اگر یہ قرار دی جائے کہ ہم ریت کے ذرات کی طرح بکھرے ہوئے اور خودرَو پودوں کی طرح اِدھر اُدھر اُگے ہوئے ہیں تو شاید یہ غلط نہ ہوگا، ہمیں صرف اپنی ذات سے دلچسپی ہے، صرف اپنی عزت وشہرت اور دولت ومنصب کی فکر ہے، اپنی ذات کے خول سے جب ہم باہر نکلتے ہیں تو اولاد تک پہنچ کر ہمارے قدم رک جاتے ہیں، خیال اب صرف یہ رہتا ہے کہ ہماری اولاد پڑھ جائے، جلدی سے کام میں لگ جائے اور ایک خوش حال اور آرائش وآسائش سے بھرپور زندگی گذارنے کا اسے موقع مل جائے، اولاد سے اوپر اٹھتے ہیں تو اپنی تنظیم، اپنی پارٹی، اپنی سوسائٹی اور اپنے ادارے میں محصور ہوکر ہر طرف سے اپنی آنکھیں موند لیتے ہیں، یہی ہماری سوچ کا دائرہ اور یہی ہماری فکر کا محور ہے۔

قرآن کریم نے فکر وتدبر اور عقل وشعور کے استعمال پر جتنا زور دیا ہے، ملت میں اس کا احساس بہت کم پایا جاتا ہے، افسوس کہ بعض دوسری قومیں عقل وشعور سے کام لینے میں ہم سے بہت آگے بڑھ گئی ہیں مگر انہوں نے اس ہتھیار کا استعمال صرف مادّی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر کیا ہے، ان کے برخلاف ہم نے عقل پر جذبات کو ترجیح دی اور یہی جذباتیت اب ہماری شناخت بن گئی ہے، جوش نے ہمیں دیوانہ اور ہوش سے ہمیں بے گانہ کردیا، جذبات کی رو میں بہنا ہی اب ہمارا شیوہ بن گیا ہے، نتیجہ اس کا شکست، ناکامی اور رسوائی کی شکل میں ہمارے سامنے آرہا ہے، ہمارا حال یہ ہے کہ ہم ہانڈی کو تیز آنچ میں پکا کر جلا تو سکتے ہیں لیکن اس کو دھیمی آنچ میں پکا کر کھانے کے لائق نہیں بنا سکتے، ہم ساری توقعات دوسروں سے رکھتے ہیں اور خود ان توقعات پر پورا اترنے کی کوئی کوشش نہیں کرتے۔

مسجد کے سامنے غیر مسلم کی بارات گذرتی ہے، ناچ ہوتا ہے، ڈھول بجتا ہے، ہمیں برا لگتا ہے، کیونکہ نماز میں خلل پڑتا ہے، نماز کا احترام اور مسجد کا تقدس ہمیں احتجاج کرنے پر مجبور کرتا ہے، لیکن یہی بارات جب کسی مسلمان کی ہوتی ہے اور مسجد کے سامنے خوب دھاچوکڑی مچتی ہے یا نوجوانوں کی ایک ٹولی مسجد کے دروازے پر ہلڑ ہنگامے میں مشغول ہوتی ہے تو ہماری غیرت اتنا جوش نہیں مارتی، کیونکہ مسئلہ مسجد کا نہیں اپنی ناک کا ہوتا ہے۔''

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 18 ⚜ **February 2026** ⚜ Issue: 02

سید احمد شہید اکیڈمی کی پیشکش

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)